لطیف احمد قریشی

احترامِ انسانیت

اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کے مطابق انسان کو فی احسن تقویم پیدا کیا اور اسی وجہ ہم پر ہر انسان کا بوجہ اس کے انسان ہونے کے ایک حد تک احترام کرنا لازم ہے خواہ وہ انسان بعد میں ضلالت کے راستے پر پڑ کر اسفل السافلین میں ہی کیوں شامل نہ ہو جائے۔

اس سے میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ متقی اور گنہ گار ہماری طرف سے برابر عزت و احترام کے حقدار ہونے چاہئیں بلکہ میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ بحیثیت انسان ہونے کے ہر انسان کچھ بنیادی حقوق ہیں اور اس حد تک وہ حقدار ہے کہ ہم سے اپنے وہ حقوق حاصل کرے اور بحیثیت انسان ہونے کے جس حد تک احترام کا اس کا حق ہے وہ ہم سے پائے۔ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ بحیثیت انسان ہونے کے ہر انسان کا یہ حق ہے کہ 'مرنے پر' اس کی نعش کی تذلیل نہ کی جائے اور مناسب طریقے پر اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جائے۔

اس لیے اسلام نے جنگی مقتولین کا مثلہ کرنا منع فرمایا ہے، خواہ مقتولین کتنے ہی بُرے رذیل اور دشمن خدا و رسول کیوں نہ ہوں۔

ہمارے معاشرے میں یہ بات باعث مسرت ہے کہ احترام کی اور صورتوں میں ہم بے شک اکثر کمزوری دکھاتے ہیں مگر مردے کو ہر حالت میں عزت کے ساتھ شرعی تدفین مہیا کرتے ہیں آپ نے مختلف جگہ پر غربت و بیماری اور افلاس و فاقہ زنی سے لوگوں کو مرتے تو شاید دیکھا ہو اور یہ بھی دیکھا ہو کہ باوجود علم ہونے کے ہمسائے اور واقف کار مدد کو نہ پہنچے مگر انہی میتوں کو پامالی ہوتے، بلکہ بے کفن دفن ہوتے کبھی نہ دیکھا ہوگا، اور وہی لوگ جو ان کی بے کسی کی

موت کا انتہائی شقی القلبی سے تماشا کرتے رہے چندہ جمع کر کے تکفین و تدفین کا انتظام کر دیتے ہیں۔

انسان کی یہی چیزیں اس کو حیوانات سے میز کرتی ہیں۔ اور اسی امتیاز کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان باقاعدہ شیرازہ بند معاشروں کی صورت میں رہ رہا ہے اور انسانی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے جب کہ حیوانات کی تعداد (سوائے ان مفید حیوانات کے جن کی افزائش نسل خصوصی احتیاط کے ساتھ انسانوں کی توجہ کی وجہ سے ہو رہی ہے) روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے اور آج حیوانات کے نمونے باقی رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

یہ تو جملہ معترضہ تھا، ذکر یہ تھا کہ انسان ایک معاشرہ کی صورت میں رہتا ہے اور یہ اسی وجہ سے ممکن ہے کہ ایک انسان کسی نہ کسی حد تک دوسرے انسان کے چند بنیادی حقوق کا احترام کرتا ہے ورنہ یہ بقائے انسانی بلکہ تعداد، عقل اور زندگی کی آسائش کے سامانوں کی صورت میں ارتقاء ممکن ہی نہ ہوتا۔

آج بے شک ایک مکمل طور پر مہلک عالمی جنگ کا خطرہ ضرور سر پر منڈلا رہا ہے لیکن اس کے بالمقابل زندگی کو بہتر بنانے کی بیش از بیش کوششوں کے پہلو بہ پہلو برٹرنڈ رسل اور تھانٹ اور کوسین یلی قسم کے لوگ انسان کی محبت سے مجبور اس خطرے کے خلاف کوشاں ہیں اور مجھے یقین واثق ہے کہ ان کی کوششیں ضرور بار آور ہوں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی نے پہلی شریعتوں کے واجب کردہ اور تجربہ وعقل کی بنا پر ثابت شدہ بنیادی حقوق، حق جان، حق مال اور حق عزت پر حجۃ الوداع کے موقع پر آخری مہر تصدیق ثبت کر کے ہر مسلمان پر انسان کے یہ بنیادی حقوق فرض کر دیئے ہیں اور ان حقوق میں سے کسی کی بھی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی جب تک کہ کوئی شخص خود ان حدود کو نہ توڑے۔

اس صورت میں بھی ان حقوق کا غصب محض سزا کے طور پر ہوگا۔ اور حق عزت کی

خلاف ورزی کرنے والے کے لیے بھی سزا کے طور پر انہی ہی بے عزتی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ کوئی سی اور سزا حتیٰ کہ موت تک ممکن ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک زانی بنیادی طور پر ایک دوسرے انسان کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اس کی سنگساری تو ہو سکتی ہے مگر ویسی ہی عزت کی خلاف ورزی نہیں۔ مال اور جان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کے لئے بھی سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔

ایسے ہی بنیادی حقوق میں سے ہر انسان کا حق انصاف بھی ہے۔ اگر کسی انسان کا کوئی سا بھی جائز حق غصب کیا جاتا ہے تو جس بھی معاشرہ کا وہ ایک فرد ہے اس معاشرہ کا فرض ہے کہ نہ صرف یہ کہ زیادتی کرنے والے کی سرکوبی کی جائے بلکہ اس شخص کا غصب شدہ حق دلوایا جائے اور آئندہ کے لئے ایسے احتیاطی اقدام کئے جائیں کہ جہاں تک ہو سکے اس غلطی کا اعادہ نہ ہو۔ جو معاشرہ ایسا نہیں کرتا ہے۔ اور اپنے اس فرض سے لاپروائی برتتا ہے یقیناً یہ لاپروائی اس معاشرہ کی اجتماعی موت کا پیش خیمہ ثابت ہو گی۔

بحث شاید کچھ زیادہ نظریاتی ہوتی جا رہی ہے۔ آیئے زندگی کے اس عملی پہلو کی طرف توجہ دیں جس سے مجھ کو اور ہم سب کو عام طور پر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اور جہاں مندرجہ بالا بنیادی حقوق عام آدمی کے دائرہ اختیار سے نکل کر اجتماعی معاشرہ کی حدود میں پہنچ چکے ہیں۔ جس حق کا میں اب ذکر کرنے والا ہوں اس کی حفاظت کا موقع عام آدمی کو زندگی میں قدم قدم پر آتا ہے اور مجھے افسوس ہے کہ مجھ جیسے کمزور انسان باوجود اس کے بارے میں نظریاتی طور پر پختہ ہونے اور اکثر دوسروں کو تلقین و ترغیب کرنے کے خود کمزوری دکھا جاتے ہیں۔

میری مراد ہر انسان کے اسی حق سے ہے کہ وہ خواہ کیسا ہی ہو اس سے بطور انسان کے نفرت نہ کی جائے۔ بلکہ اس کے ساتھ رحم، حلم اور محبت و شفقت کے ساتھ پیش آیا جائے۔ میں جس چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہوں وہ نسل ورنگ اعرابی و عجمی اور شرقی و غربی کی تفریق ہے

یہی عصبی نفرت ہے جو دنیا کے اکثر حصوں مثلاً جنوبی افریقہ، جنوبی روڈیشیا حتیٰ کہ سب سے زیادہ مہذب کہلانے والے ملک ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں کشمکش اور عذاب کا موجب بنی ہوئی ہے۔

اس طرح نفرت نہ کرنے کا صرف یہی فائدہ نہ ہوگا کہ اس قسم کے بین الاقوامی نازیبا حالات پیدا نہیں ہوں گے بلکہ اپنی عام روزانہ زندگی میں اس پر عمل کرنے سے ہمارا معاشرہ ایک صحت منداور خوش حال معاشرہ بن جائے گا۔

ہمیں اپنے درمیان کسی انسان سے اس وجہ سے نفرت نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کالا ہے یا بدصورت ہے یا مفلس ہے یا مفلسی کی وجہ سے صاف ستھرا نہیں رہ سکتا۔ ایک یتیم بچے سے اس لیے نفرت نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے والدین زندہ نہیں، اور ایک مریض سے اس لیے نہیں گریز کرنا چاہیے کہ اس کا مرض اس کے جسم کو گندہ بنا رہا ہے۔

یہاں مجھے اپنے ان دوست کا بتایا ہوا واقعہ یاد آیا جو ان دنوں اس علاقہ کے ایک دور افتادہ شہر سے میرے پاس کوئٹہ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ انھوں نے بڑے دکھ سے بیان کیا اور مجھے سن کر انتہائی دکھ پہنچا کہ وہاں کے ہسپتال کے ڈاکٹر کے پاس بیٹھے تھے اور باتوں باتوں میں ڈاکٹر صاحب مریضوں کی طرف اشارہ کرکے فرمانے لگے کہ " I hated these dirty beggars " (مجھے ان غلیظ کمینوں سے سخت نفرت ہے)

خیال کیجیے کہ ایک عام انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کسی مریض سے اس لیے نفرت کرے کہ وہ غلیظ ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ جہاں تک ہو سکے اس کی عملی اعانت کرکے اس کو تسلی دے کیے اس کے پاس بیٹھے اور کہاں ایک ڈاکٹر کہ مریضوں سے ان غلیظ الفاظ میں نفرت کا اظہار کرے۔

اس حق کا ذکر کرنے سے میرا مقصد اس قسم کی لغزشوں کی طرف توجہ دلانا تھا جو ہمارے لیے نہ صرف بری بلکہ باعث ننگ ہیں۔

اس جگہ میں بنگال کے مشہور شاعر رابندرناتھ ٹیگور کی ایک نظم میں بیان کردہ کہانی کا ذکر

کر سکتے نہیں رہ سکتا۔

اپنی نظم Dancing girl (رقاصہ) میں وہ ایک رقاصہ کا نقشہ کھینچتا ہے جو زیورات اور زرق برق لباس سے لدی داد عیش دے کر شہر میں داخل ہوتی ہے، اور ٹھوکر لگنے پر ایک خوبصورت نوجوان فقیر منش سادھو کو اپنے راستے میں سوتا ہوا پا کر اس کو اپنے ساتھ چلنے اور اس کے ساتھ زندگی کی خیر بینیوں سے لطف اندوز ہونے کو کہتی ہے۔ سادھو اس وقت بھی نفرت کا اظہار تو نہیں کرتا مگر رقاصہ کی پر از معاصی زندگی پر ناپسندیدگی کا اظہار ضرور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب میری ضرورت ہو گی میں ضرور آ پہنچوں گا۔

چند سال بعد جب رقاصہ کو اس ننگ انسانیت مرض کی وجہ سے جو ایسی زندگی کی آخری منزل میں ہوا کرتا ہے شہر سے باہر پھینک دیا گیا تو وہی سادھو اس کے قریب پہنچا، اور اپنے ہاتھوں سے اس کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کی اور ہر طرح سے اس کی تکلیف رفع کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

سادھو میں یہ جذبہ محض ایک انسان کی انسانیت کے احترام کا جذبہ تھا۔ اور یہی جذبہ ہے جس میں اس سادھو جیسی معراج حاصل کرنے کے لیے میں اپنے لیے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں اور ہر انسان کو اس مقام پر دیکھنا چاہتا ہوں۔

میں نے اس مضمون کے لیے خصوصاً یہ موضوع اس لیے چنا ہے کہ میں انتہائی دکھ کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ ماضی میں بھی بہت دفعہ انسانیت کا احترام لوگوں کی نظروں میں کم ہوا اور آج بھی اجتماعی و انفرادی دونوں سطحوں پر ایسا ہو رہا ہے۔ ماضی میں یہ انسانیت کے احترام کی کمی ہی تھی جس نے غلامی کی بری حقیقت کو جنم دیا تھا۔ ماضی میں اس قسم کی باتیں تو شاید کسی حد تک قابل معافی ہوں کیونکہ انسان اب سے کم ترقی یافتہ اور روشن خیال تھا۔

مگر افسوس ہے کہ آج کا ترقی یافتہ اور روشن خیال کہلانے والا انسان بھی اس گمراہی کے گڑھے میں گر رہا ہے۔ آج سرمایہ دار اور بڑے بڑے مل مالکوں کے ہاتھوں انسان کی انسانیت

کی ہتک ہو رہی ہے۔ آپ ہی کہیے کہ اگر مزدوروں کو انسانی لوازمات بھی مہیا نہ ہوں جب کہ ان سے ان کی استطاعت سے بڑھ کر کام بھی لیا جائے تو یہ انسانیت کی ہتک نہیں؟ اسی طرح یہ انسانیت کے احترام کی کمی ہی ہے جس کی وجہ سے ترقی یافتہ کہلانے والے ممالک کم ترقی یافتہ ملکوں کو ذہنی و معاشی طور پر غلام بنا کر ان پر ہر طرح کا ظلم روا رکھ رہے ہیں۔

اسی طرح ہم لوگ اپنی عام زندگی میں، غریب و امیر میں تفریق کرتے ہیں۔ اپنے امیر اور ہم پلہ پڑوسی سے تو تعلقات رکھتے ہیں۔ اس سے لین دین کا تعلق رکھتے ہیں۔ خوشی کے مواقع پر اس کو یاد رکھتے ہیں۔ تحفے تحائف دیتے ہیں۔ تکلیف میں اس کی دلداری کرتے ہیں مگر اپنے غریب ہمسائے کو نظر انداز کر کے اس کو نہ جانے کن عملی، ذہنی مشکلات میں ڈال دیتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ آج کی بہت ساری برائیوں کا حل انسان کی کما حقہ عزت کو بحال کرنے میں ہے۔ شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی خبردار کیا تھا کہ وہ بندے کی حقوق اللہ کے متعلق لغزشیں تو معاف کر دے گا مگر حقوق العباد سے متعلق نہیں۔